سید رئیس احمد جعفری (ندوی)

اسلام اور معاشرہ

معاشرہ کے حقوق فرد پر کیا ہیں؟ اور فرد کے حقوق معاشرے پر کیا ہیں؟ اور ان حقوق کو اسلام نے کس طرح پیش کیا ہے؟ اس مقالے کا یہی موضوع ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب دین اور دنیا کی تفریق کے قائل ہیں۔ کلیسا کا حق اپنی جگہ اور قیصر کا حق اپنی جگہ۔ دین صرف وقتی عبادت ہے اور دنیا مستقل حکومت۔ دین کی خانقاہ میں دنیا کو داخل ہونے کی اجازت نہیں، اور دنیا کے ایوان میں دین قدم نہیں رکھ سکتا۔ لیکن اسلام اس تفریق کا قائل نہیں۔ اس کے نزدیک دین اور دنیا میں وہی تعلق ہے جو روح اور جسم میں ہے۔ ان دونوں کو جدا نہیں کیا جا سکتا، اور اگر کر دیا جائے تو زندگی داغ مفارقت دے جائے گی، اور موت کی کارفرمائی قائم ہو جائے گی۔

اسلام کے نزدیک بہترین دیندار وہ ہے جو بہت اچھی طرح دنیا کو برت سکتا ہو۔ دوسرے مذاہب میں دین کا سربراہ دعا کرتا ہے اور دنیا کا سربراہ حکومت۔ لیکن اسلام میں دین کا سربراہ نماز کی امامت کرتا ہے، فوج کی رہنمائی کرتا ہے، امور مملکت سرانجام دیتا ہے، مسند فرمانروائی پر متمکن ہوتا ہے۔ یہ بہت بڑا فرق ہے اور اس فرق کو اسلام کے سوا کوئی مذہب اب تک برت کر نہیں دکھا سکا ہے۔

پیدائش سے لے کر وفات تک انسان کا ہر قول و فعل، خواہ وہ زندگی کے کسی مرحلہ سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو، مذہب کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتا۔

ہم کھاتے ہیں، پیتے ہیں، پہنتے ہیں، جاگتے ہیں، سوتے ہیں، پڑھتے ہیں، لکھتے ہیں، کھیلتے ہیں، تفریح کرتے ہیں۔ بزم احباب کی زینت بنتے ہیں۔ مجمع اغیار میں پہنچتے ہیں، دوستوں سے روابط قائم کرتے ہیں۔ دشمنوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ باتیں کرتے ہیں، باتیں سنتے ہیں سرکاری دفتر میں ملازمت کرتے ہیں۔ پرائیویٹ کمپنیوں اور فیکٹریوں اور فرموں سے وابستگی اختیار کرتے ہیں۔ منیجر کی حیثیت سے، حاکم کی حیثیت سے، مالک کی حیثیت سے اپنی سرگرمیوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ پڑھتے ہیں، پڑھاتے ہیں۔ سیکھتے ہیں سکھاتے ہیں۔ وعظ و پند کی مجلس قائم کرتے ہیں۔ بحث و گفتگو کی انجمن مرتب کرتے ہیں۔ سوچتے ہیں۔ اظہار خیال کرتے ہیں۔ اپنے بارے میں بھی، دوسروں کے لیے بھی۔ اغیار و احباب کے متعلق صبح سے شام تک ہماری سرگرمیاں بھی ہوتی ہیں، اور ان سرگرمیوں میں کوئی سرگرمی بھی ایسی نہیں ہے جو دین کے احتساب سے خالی ہو۔

حاکم اور محکوم، افسر اور ماتحت، دوست اور رفیق، باپ اور اولاد، شوہر اور بیوی، لیڈر اور پبلک، واعظ اور سامعین، معلّم اور متعلّم، سالار عسکر اور معمولی سپاہی الگ الگ یہ سب فرد ہیں اور یہی افراد مجموعہ کی صورت اختیار کر کے سوسائٹی اور معاشرہ بن جاتے ہیں۔

اسلام نے فرد کی رہنمائی بھی کی ہے اور معاشرہ کی تطہیر کے وسائل بھی پیدا کیے ہیں۔ وہ فرد کو معاشرہ کا اچھا رکن، اور معاشرہ کو فرد کے حقوق کا پاسبان اور نگہبان بنانا چاہتا ہے۔

جہاں تک تعلیم، تلقین، اور رشد و ہدایت کا تعلق ہے یہ خوش نما الفاظ اور زریں اصول زیب قرطاس و قلم ہر جگہ نظر آئیں گے۔ لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے، تضاد و تعارض اور اختلاف و تباین کی کار فرمائی بھی ہر جگہ نظر آئے گی۔ قول کچھ ہے، عمل کچھ، بلکہ دونوں میں بعد المشرقین فرانس کا دعوٰی ہے کہ ملوکیت ختم کر کے جمہوریت کا تحفہ اس نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

لیکن شام، لبنان، الجزائر اور دوسرے فرانسیسی مقبوضات اسے بدترین سامراج کا علمبردار تصور کرتے ہیں۔ برطانیہ کی ملوکیت آمیز جمہوریت بلاشبہ ہفت عجائبات عالم میں ایک اضافہ ہے۔ لیکن ہندوستان، پاکستان، برما، ملایا اور دوسرے مقامات کے در و دیوار برابر اسی نعرے سے گونجتے رہے کہ :۔ تم نے لوٹی کشت دہقاں تم نے لوٹے تخت و تاج۔ امریکہ ایک برتر قسم کی جمہوریت اور انسانی مساوات کا مبلّغ و منّاد ہے۔ لیکن لنش کا سلسلہ وہاں اب تک جاری ہے اور وہاں کے قدیم لیکن سیاہ فام باشندوں کے لیے اب تک ہوٹلوں اور تعلیم گاہوں کے دروازے بند ہیں اور وہ بے چارے آسمان کی طرف تکتے ہوئے یہی صدا لگاتے ہیں : ۔ ہے کہاں روز مکافات اے خدائے دیر گیر۔ روس ایک عظیم انقلاب کا داعی ہے لیکن یہ ایسا عوامی انقلاب ہے جس نے عوام کے کان بند کر رکھے ہیں، لبوں پر مہر لگا رکھی ہے آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے۔ نہ وہ دیکھ سکتے ہیں، نہ کہہ سکتے ہیں۔ نہ سن سکتے ہیں۔ سوا اس کے کہ ایک نفس سرد کے ساتھ کرملین کی طرف دیکھیں اور کہہ اٹھیں :۔ فلک کو دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی۔ ہمارا پڑوسی ملک بھارت از روئے آئین و دستور سیکولر ہے، اور بقول پنڈت نہرو کے دنیا کا تیسرا سب سے بڑا اسلامی ملک ہے، وہاں پانچ کروڑ مسلمان بستے ہیں، لیکن بقول مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم سارے ہندوستان سے قطع نظر خاص دارالحکومت دہلی میں بیسیوں مسجدیں اب تک قبضۂ اغیار سے واگزار نہ کرائی جا سکیں۔ آزادی کے ۱۷ سال گزر چکنے کے بعد اب بھی وہاں جبل پور کے سے خون آشام واقعات و حوادث رونما ہوتے رہتے ہیں۔

یہ سب کیوں ہیں ؟

اس لیے کہ فرد اور معاشرے کے مابین خدائی احتساب کا کوئی اصول اور ضابطہ معیّن نہیں ہے۔ انسان اپنے بنائے ہوئے آئین و قانون، اور اعلام و اعلان میں چور دروازے رکھ سکتا ہے۔ بلکہ پیدا کر سکتا ہے۔ حسب ضرورت و مصلحت تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ آئین و قانون خدا کا بنایا ہوا ہو تو پھر اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ پھر اس میں کسی طرح کا تغیر نہیں

کیا جا سکتا۔

مسلمان فرد، اور مسلمان معاشرہ خدائی احکام کا پابند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان نے مسلمان کی حیثیت سے، اور مسلمانوں کے معاشرے نے اسلامی معاشرے کی حیثیت سے جب کبھی اقتدار و اختیار کی باگ ہاتھ میں لی تو ایک انقلاب عظیم رونما ہو گیا۔ دشمن دوست بن گئے اور کافروں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ یدخلون فی دین اللہ افواجا۔

جس موضوع پر آج میں گفتگو کر رہا ہوں، اپنی معنویت اور گیرائی کے لحاظ سے یہ ایک دفتر کا طالب ہے ـــــ سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے۔

لیکن میں انتہائی اجمال اور اختصار سے کام لے کر یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ اسلام نے جس معاشرہ کی تشکیل کی ہے وہ اپنی افادیت اور عظمت کے اعتبار سے انسانیت کے ہر روگ کا کتنا اچھا اور مکمل علاج ہے۔

معاشرۂ اسلامی کے افراد کے بارے میں اسلام کا اصل الاصول یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رحمہا اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان ایذا نہ پائیں"!

ہاتھ سے پہلے زبان کا ذکر یوں فرمایا کہ اپنی کاٹ میں زبان ہاتھ پر ترجیح رکھتی ہے، بقول ایک عرب شاعر کے ـــــ نیزے کا زخم مندمل ہو سکتا ہے مگر زبان کا گھاؤ اچھا نہیں ہو سکتا!

اور سچ پوچھیے تو فرد اور جماعت کی فتنہ طرازیوں اور فساد انگیزیوں میں سب سے زیادہ اور سب سے بڑا حصہ زبان ہی کا ہوتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ شر و فساد کی ساری کائنات انہی دونوں چیزوں زبان اور ہاتھ کی کارفرمائی پر منحصر ہے۔ اگر انسان کی زبان قابو میں ہو تو دشمنی اور عداوت کا بازار سرد پڑ جائے۔ پھر نہ دنیا اس کے لیے مصائب کا گہوارہ بن سکتی ہے نہ عاقبت ہلاکت اور بربادی کا مسکن

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"تم میں سے کوئی مومن کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکمیل ایمان منحصر ہے دوسرے مسلمان کے لیے اسی خیر کی طلب وتمنا پر جو خود اپنے لیے روا رکھی جائے۔ یہ اخوت کا وہ رشتہ ہے جس کی مثال صرف اسلام ہی میں مل سکتی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں اس جگہ حب دلپسند سے مراد ہے خیر کی باہمی طلب، اور مضار کا باہمی انسداد، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں خیر کی باہمی طلب کا اتمام نہیں ہو سکتا جب تک بغض، عداوت، دشمنی وغیرہ کو جو یکسر مذموم ہیں ترک نہ کر دیا جائے۔

ہم اپنے خادموں سے جو سلوک کرتے ہیں یا جو ہمارے دست نگر ہیں ان کے ساتھ ہمارا جو برتاؤ ہے۔ بار بار ہمیں اپنا دل ٹٹولنا چاہیے۔ کیا وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہے؟

حضرت ابوذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص — یعنی اپنے غلام — کو اس کی ماں سے عار دلائی، آپؐ نے فرمایا:

"اے ابوذرؓ کیا تو نے اسے ماں کی عار دلائی ہے؟ ابھی تک تجھ میں جاہلیت کا اثر باقی ہے۔ تمھارے غلام تمھارے بھائی ہیں۔ ان کو اللہ نے تمھارے قبضہ میں دیا ہے۔ پس جس شخص کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو ضروری ہے کہ جو خود کھائے وہی اسے بھی کھلائے۔ جو خود پہنے وہی اسے بھی پہنائے۔ اپنے غلاموں سے ان کاموں کو نہ کہو جو ان کے لیے گراں ہوں۔ اور اگر ایسے کام کی انھیں زحمت دو تو خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ۔"

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ابوذرؓ نے حضرت بلالؓ کی توہین کی تھی، یہ بات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپؐ نے فرمایا:

"ابو ذرؓ میں نہیں جانتا تھا کہ تمھارے سینہ میں ابھی عہدِ جاہلیت کا کبر و غرور موجود ہے"

یہ سن کر ابو ذرؓ زمین پر گر پڑے، اپنے رخسار مٹی سے ملنے لگے۔ اور کہا:

"خدا کی قسم میں اپنے رخسار مٹی سے اس وقت تک نہیں ہٹاؤں گا جب تک بلالؓ میرے رخسار کو پاؤں تلے روند نہ ڈالیں"

اسلام اعتدال اور توسط کا مذہب ہے۔ وہ کسی چیز میں خواہ وہ کتنی اچھی ہو انتہا پسندی کو پسند نہیں کرتا۔ وہ دوسروں کی کمزوریوں، معذوریوں اور مجبوریوں کا پورا پورا خیال رکھتا ہے۔ چنانچہ معاملاتِ دین میں بھی اس کی روش یہی ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے آں حضرتؐ وعظ و نصیحت روزانہ نہیں فرماتے تھے کہ مبادا انہیں گراں نہ گزرے۔

تذکیر و موعظت میں یہ بنیادی اصول منارۂ نور کا کام دیتا ہے۔

کوئی معاشرہ بھی اس وقت تک سرسبز اور شاد کام نہیں ہو سکتا جب تک اس کے افراد ایک دوسرے کے معین اور مددگار نہ ہوں۔ اور وہ بھی ایک فرض سمجھ کر نہ کہ اظہارِ احسان و کرم کا مظاہرہ سمجھ کر۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ سات شخصوں کو قیامت کے دن اپنے سایہ میں لے گا۔ ان میں ایک وہ شخص بھی ہے جو مخفی طور پر صدقہ دے۔ یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو نہ معلوم ہو کہ اس کا داہنا ہاتھ خرچ کرتا ہے؟

امورِ خیر میں جب تک نہ خلوص اور للّٰہیت نہ ہو جو نمود و نمائش سے یکسر خالی ہو اس وقت تک معاشرے کی بنیاد مستحکم نہیں ہو سکتی۔ اس لیے امدادِ باہمی کے اخفا کو اتنی زیادہ اہمیت عطا فرمائی ہے۔

اسلام اپنے معاشرے کو دین و دنیا کا جامع بنانا چاہتا ہے۔ نہ وہ یہ چاہتا ہے کہ آدمی بس صرف دنیا کا ہو رہے۔ نہ یہ مطلوب ہے کہ ترک دنیا کر کے دین کے لیے وقف ہو جائے۔ اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ یکساں طور پر وہ دین و دنیا سے ربط و تعلق قائم رکھنے کی ہدایت کرتا ہے کہ یہی فلاح و نجاح کی کنجی ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کہتے ہیں مجھ سے آنحضرتؐ نے فرمایا:

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تم قائم اللیل اور صائم النہار ہو؟"

میں نے عرض کیا، جی ہاں میں ایسا کرتا ہوں۔

فرمایا "جب تم یہ کرتے ہو تو تمہاری آنکھ بوجھل ہو جاتی ہے۔ تمہارا نفس تھک جاتا ہے ـــــ تمہارے نفس کا تم پر حق ہے۔ تمہارے اہل کا تم پر حق ہے۔ پس روزہ رکھو اور افطار کرو۔ رات کو عبادت بھی کرو اور سوؤ بھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام رہبانیت اور برہمچریہ، ترک اور تیاگ کا مذہب نہیں۔ وہ کہتا ہے دنیا میں رہو۔ دنیا کو برتو۔ دنیا والوں سے میل جول رکھو۔ دنیا کے معاملات میں حصہ لو۔ ترک فرزندوزن کے بجائے، فرزندوزن سے محبت کرو۔ ربط قائم رکھو۔ ان کے حقوق خوش دلی اور انصاف کے ساتھ ادا کرو۔ پھر عبادت کرو۔ یہی صحیح عبادت ہے۔ اور یہی عبادت خدا کی بارگاہ میں مقبول ہے۔

اگر تم نے دنیا کو چھوڑ دیا تو کوئی کمال نہیں کیا۔ کمال تو یہ ہے کہ دنیا میں رہو، اور خدا کو نہ بھولو۔ ایک عابد کی یہی شان ہے۔

صبح سے شام تک انسان کو بہت سے معاملات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ سوسائٹی میں رہ کر بہت سے امور انجام دینا ہوتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان سب کو سمیٹ کر ایک ایسا ہدایت نامہ امت کو عطا فرمایا ہے جس پر عمل کر کے انسان معاشرے کا بہترین رکن اور بہترین انسان ثابت ہو سکتا ہے۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں، ہمیں آنحضرتؐ نے سات چیزوں کا حکم دیا۔ اور چھ چیزوں سے منع فرمایا۔ جن باتوں کا حکم دیا وہ یہ ہیں :

۱۔ جنازہ کی مشایعت

۲۔ مریض کی عیادت

۳۔ قبول دعوت

۴۔ مظلوم کی مدد

۵۔ قسم کا پورا کرنا

۶۔ سلام کا جواب

۷۔ چھینک کا جواب

اس حدیث میں جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔ غور کیجیے تو معلوم ہو گا وہ زندگی کے ایسے اصول ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے زندگی سنورتی ہے۔ اس میں جمال پیدا ہوتا ہے۔ جنازہ کی مشایعت سے جہاں میت کے احترام کا پہلو نکلتا ہے وہاں یہ بات بھی مستحضر ہو جاتی ہے کہ عاقبت منزلِ ما وادی خاموشاں است۔

مریض کی عیادت بہت بڑا سماجی فرض ہے۔ آج دوسرا بیمار ہے کل ہم بیمار پڑ سکتے ہیں۔ اگر ہم کسی کے کام آتے ہیں تو دوسرے بھی ہمارے کام آئیں گے۔ اس طرح معاشرے کی کڑیاں ایک دوسری سے وابستہ اور مربوط ہوتی چلی جائیں گی۔

دعوت کا قبول کرنا دعوت کرنے کو مستلزم ہے۔ اور کوئی شبہ نہیں اس طرح روابط باہمی، اور ایک دوسرے سے ربط و تعلق کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔

مظلوم کی مدد، ایک زریں اصول ہے۔ مظلوم اگر دشمن بھی ہے تو بھی اس کی مدد کرنی چاہیے۔ ظالم اگر دوست ہے تو بھی اس کا ہاتھ پکڑ لینا چاہیے۔ جس سوسائٹی میں مظلوم موجود ہو، وہ ہلاکت اور بربادی کی زد میں ہے۔ جس معاشرے میں مظلوم کی دادرسی ہوتی ہو اسے پھلنے پھولنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

قسم ایک ذمہ داری ہے۔ ایک عہد ہے۔ اس کا نباہنا اور پورا کرنا بلندئ کردار کا ثبوت ہے
اس کا عدم ایفا پستی فطرت کی دلیل ہے اور اسلام اپنے معاشرے کے افراد میں بلندی کردار کا جوہر پیدا
کرنا چاہتا ہے اور پستیٔ فطرت کے روگ سے اسے بچانا چاہتا ہے۔

انسان پر بہ حیثیت فرد کے بہت سی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا
اسلامی معاشرے کے رکن کے لیے لازمی ہے۔ ان سے روگردانی از روئے شریعت غلط کاری ہے۔
حتیٰ کہ ان ذمہ داریوں سے کنارہ کشی کر کے امورِ خیر کا انجام دینا بھی شارع کی نظر میں سزاوارِ تحسین
نہیں ہے۔

حضرت سعد بن وقاصؓ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے سال جب کہ میں علیل تھا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا میری حالت یہ ہے اور میں خاصا
دولت مند ہوں، اور ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں۔ کیا میں اپنا دو تہائی مال خیرات کر دوں؟

آپؐ نے جواب دیا "نہیں!"

میں نے عرض کیا، "اچھا تو کیا ایک تہائی خیرات کر دوں؟"

ارشاد ہوا "ایک تہائی بھی بہت ہے ——— تم اپنے وارثوں کو صاحب استطاعت چھوڑ
جاؤ بہ نسبت اس کے کہ انھیں تنگ دست چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ جو کچھ تم
خوش خوش اللہ کے لیے خرچ کرو گے اس کا تمھیں ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے
منہ میں دو گے اس کا بھی!"

اور صدقہ کے لیے مال و دولت ہی ضروری نہیں ہے۔ نیک کام بھی صدقہ ہے اور اس کا بھی اتنا
ہی اجر ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہر مسلمان کو صدقہ دینا چاہیے۔"

لوگوں نے عرض کیا،

"اگر کوئی مقدرت ہی نہ رکھتا ہو اس کی ؟"

فرمایا: "اپنے ہاتھ سے محنت کرے۔ اپنے آپ کو سکھ پہنچائے۔ یوں بھی صدقہ دے سکتا ہے۔"

لوگوں نے عرض کیا "اگر یہ بات بھی قدرت سے باہر ہو؟"

فرمایا "حاجت مند مظلوم کی داد رسی کرے۔"

عرض کیا گیا، اگر یہ بھی بس سے باہر ہو؟

فرمایا "تو اچھی بات پر عمل کرے۔ بُرائی سے اجتناب کرے۔ یہی اس کے لیے صدقہ ہے۔"

افراد معاشرہ کے مابین رفق و محبت، ربط و تعلق، اور یگانگت پیدا کرنے پر صرف زور ہی نہیں دیا ہے، اسے موجب اجر بھی قرار دیا ہے۔ اور جو مال و زر نہ خرچ کر سکتا ہو وہ اگر خود اپنی مدد کرے۔ دوسروں کو سہارا دے۔ بُرائی سے مجتنب رہے تو اسے بھی اس کے لیے صدقہ یعنی موجب اجر قرار دے دیا۔ معاشرے کے جن افراد کو خدا کی طرف سے یہ سہولتیں حاصل ہوں، ان کے ایک مثالی انسان بننے میں کونسی چیز مانع آسکتی ہے؟

روزی کمانے کے لیے، غریب سے امیر بننے کے لیے، مال و زر پیدا کرنے کے لیے انسان ہزاروں جتن کرتا ہے۔ اسلام روزی کمانے سے منع نہیں کرتا۔ امیر بننے سے نہیں روکتا۔ مال و زر پیدا کرنے پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ ہاں مگر ایک —— اکل حلال! اسی میں برکت ہے۔ اس میں قلب و روح کی آسودگی ہے۔ یہی فلاح دین و دنیا کی ضمانت ہے۔

حضرت مقدامؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کوئی شخص اپنے ہاتھ کی کمائی سے اچھا نہیں کھاتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ سے روزی کما کر کھایا کرتے تھے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ آدمی اپنی محنت سے جو کماتا ہے وہی اصل چیز ہے۔ چوری۔ بے ایمانی رشوت۔ جعل۔ فریب۔ دھوکہ۔ غبن، ان فنون پر عمل کر کے جو کچھ کماتا ہے وہ اسلامی معاشرے کی توہین ہے۔

اچھے معاشرے کی بنیادی چیز صبر وضبط، حلم و بردباری اور حسن اخلاق ہے۔

اینٹ کا جواب پتھر سے دینا۔ کلّہ بہ کلّہ مقابلہ کرنا۔ پورا پورا بدلہ لینا یقیناً جائز ہے لیکن مستحسن یہ ہے کہ برائی کے بدلہ میں برائی اختیار نہ کی جائے۔

حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ یہود کی ایک جماعت آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انھوں نے آپؐ کو مخاطب کر کے کہا:

"السّام علیکم" ــــ یعنی آپ کو موت آئے۔

آپؐ نے فرمایا "وعلیکم"

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں، میں مطلب سمجھ گئی۔ میں نے جواب میں کہا:

"وعلیکم السام واللعنۃ" یعنی تم پر موت آئے اور لعنت ہو"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے ارشاد فرمایا:

"نرمی برتو عائشہ رضؓ اللہ تعالےٰ ہر معاملہ میں رفق کو پسند کرتا ہے۔"

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں، میں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہؐ کیا آپؐ نے نہیں سنا اس نے کیا کہا؟"

آپؐ نے فرمایا، میں نے کہہ تو دیا تھا وعلیکم!

ذرا غور کیجیے، آپؐ کے پاس کچھ لوگ آتے ہیں۔ آپؐ ان سے اخلاق و تپاک کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ وہ آپؐ پر سلامتی نہیں بھیجتے۔ بد دعا دیتے ہیں۔ آپؐ نہ صرف اس تلخ، غیر شریفانہ اور غیر انسانی اور سراسر اشتعال انگیز بات کو برداشت کر لیتے ہیں، بلکہ آپؐ کی رفیقۂ حیات جب اس بد زبانی اور یاوہ گوئی کی تاب نہ لا سکیں اور ترکی بہ ترکی جواب دینے پر مجبور ہو گئیں تو آپؐ نے انھیں نرمی اختیار کرنے کی تلقین کی۔

آپؐ کا یہی وہ طرزِ عمل تھا جو منکروں اور کافروں کے دل کھول دیتا تھا۔ وہ مخالف بن کر آتے تھے۔ دوست بن کر جاتے تھے۔ وہ دینِ مبین کو بیخ و بن سے نیست و نابود کرنے کے ارادے

سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تھے مگر قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے، خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کا کلمہ پڑھتے ہوئے رخصت ہوتے تھے۔ کیا اس عفو و رحمت کی کوئی مثال آج تک مل سکی ہے؟ واقعات و حقائق کا جواب صرف ایک ہے:

"نہیں"

صلی اللہ علیہ وسلّم

ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں، جنھیں اپنی رائے یا اپنے مسلک سے منحرف پاتے ہیں۔ ان کی دیانت فکر و رائے کو تسلیم نہیں کرتے۔ انھیں غلط کار، غلط رو، اور قابل تعزیر سمجھنے لگتے ہیں۔ ان پر فسق کا الزام لگاتے ہیں اور کفر کا فتویٰ تک دینے میں تامل نہیں کرتے۔ کسی ایسے شخص کو جو اپنے تئیں مسلمان کہتا ہو، کافر کہہ دینا بہت بڑی جرأت ہے، اور یہ چیز اسلامی معاشرے کو متزلزل کرنے کے لیے کافی ہے۔ لیکن اسلامی معاشرے کا اصول یہ نہیں ہے۔

حضرت ابوذرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص کسی کو فاسق بتاتا ہے، یا کفر سے منسوب کرتا ہے تو یہ کفر و فسق اسی کی طرف لوٹ آئیں گے اگر وہ ایسا نہ ہوا۔

بخاری ہی کی ایک اور حدیث ہے جس کے راوی ثابت بن ضحاکؓ ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

"جس نے کسی مومن پر لعنت کی تو یہ اس کے قتل کے برابر ہے اور جس نے کسی مومن کو کافر کہا تو یہ بھی اس کے قتل کے برابر ہے۔"

غصہ انسان کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے۔ رسالت مآبؐ نے اس بیماری سے اسلامی معاشرے کو پاک رکھنا چاہا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"کشتی میں قوّت دکھلانے والا مضبوط نہیں ہے۔ مضبوط وہ ہے جو غصہ کے وقت

اپنے نفس کو قابو میں رکھے!"

کسی معاشرے کی بنیاد استوار و محکم اسی وقت ہوسکتی ہے جب وہ اختلافات و نزاع سے پاک ہو، اور اتحاد و اتفاق سے ہم آہنگ ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

"اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں شقاق سے، نفاق سے، سوء اخلاق سے!"

یہ تین لفظ اسلامی معاشرے کی جان ہیں۔ یہی وہ معاشرہ ہے جسے اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے کہ "خیر امت" کا معاشرہ اس کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا!۔

"بالتحقیق ان مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے (خواہ قولی ہوں یا فعلی) برکنار رہنے والے ہیں۔ اور (جو اعمالِ و اخلاق ہیں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں، اور جو اپنی شرمگاہوں کی (حرام شہوت رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی لونڈیوں سے حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں، اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، (پس) ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں، جو فردوس کے وارث ہوں گے۔ (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

"سورۃ المؤمنون"